از جناب محمد سلیم صاحب

"برصغیر میں دوسو سالہ اسلام دشمنی سرگرمیوں کا ایک جائزہ"

پاکستان میں برطانوی اثرات

اورنگ زیب عالمگیر کی ۱۷۰۷ء میں وفات برصغیر کی تاریخ کا ایک اہم ترین واقعہ ہے۔ عالمگیر اس ملک میں مسلمانوں کی آبرو اور اسلام کے تحفظ کی وہ علامت تھی۔ جس کا احیاء اگرچہ بعد میں جزوی طور پر کہیں کہیں ہوتا رہا لیکن مکمل اعتبار سے اس پیمانے پر اسلام کے قوانین کا نفاذ اور معاشرہ میں اسلامی اثرات دوبارہ ظہور پذیر نہ ہوئے

انگریزوں نے برصغیر میں آتے ہی یہاں کی معاشرت، مذہب، قبائل، جغرافیہ اور تاریخ کے تفصیلی مطالعے کے لئے بے شمار علماء کو متعین کیا اور اس کام پر لاکھوں پاؤنڈ خرچ کئے۔ ان کے ہراول دستے کے طور پر جو عیسائی مشن یہاں آئے انہوں نے بھی اپنے طور پر یہاں کی زبانوں کو سیکھنے، یہاں کے معاشرتی مسائل کو سمجھنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود یہاں کے رہنے والوں کی نسبت ان کا برصغیر کے مختلف مسائل کے بارے میں علم کہیں زیادہ بہتر انداز سے مدوّن ہو گیا۔ آج بھی برصغیر کے مختلف علاقوں زبانوں اور دیگر مسائل پر ان کی لکھی ہوئی کتابوں اور مضامین سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تفصیلی مطالعہ بہرحال برصغیر کے مسلمانوں کی جگہ اپنے آپ کو مسلّط کرنے کے لئے ایک اہم کلید کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسے محض خالی خولی علمی تحقیقات کا جنون قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزوں نے ایسے علماء کو استعمال کیا جو اپنی اپنی جگہ علم کے دیوانے تھے۔ لیکن ان کے پسِ پشت ملک گیری کی ہوس موجود تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ انگریزوں نے اس ملک کو تلوار کے زور سے کم اور علم کے زور سے زیادہ مسخر کیا تو یہ بات مبالغہ آمیز نظر آنے کے باوجود حقائق کی نشان دہی کرے گی۔

علم کی جو نہج اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے انگلستان میں مروّج تھی وہ بنیادی طور پر یہودی اور اسلام دشمن ذہن کی پیداوار تھی۔ اس نئے علم کے بانیوں میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو علوم کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انسانیت کی خدمت کی بجائے ایک خاص گروہ کے مخصوص مفادات کی نگہداشت کے لئے

استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عوام کو ناول ڈرامے اور افسانوں کی دنیا میں مست رکھا جب کہ مخصوص افراد کی ایک بڑی تعداد ان علوم کے حصول میں مشغول رہی جس سے کارِ جہانبانی لیا جا سکتا تھا۔ ان علوم کو سرکاری سرپرستی بھی حاصل رہی اور ساتھ ہی ساتھ فری میسن، روزی کروشن اور اسی طرح کی دوسری تحریکوں اور یہودی سرمائے اور علماء کی سرپرستی اور نگہداشت بھی میسر آتی رہی۔

سلطنت برطانیہ نے مسلم ممالک پر جو قبضہ کیا وہ عیسائی استعمار کے ایک مجموعی اور مکمل منصوبے کا حصہ تھا جس کے تحت پہلے پرتگیزی شہزادہ ہنری کو بیت المقدس کے عقب میں بحری راستے کے ذریعے خطرہ پیدا کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ پھر سپین، ولندیزی فرانسیسیوں اور ان کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے اس میدان میں پیش قدمی کی۔ اور انگریزوں نے بالآخر اس میدان میں سبقت حاصل کر لی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے بحر ہند سے ملحق علاقوں کے ایک بہت بڑے حصے پر جن میں سب سے اہم برصغیر تھا قبضہ کر لیا۔ ڈچ استعمار نے بھی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع الجزائر انڈونیشیا کو ہتھیا لیا۔ انگریز استعمار کی کامیابی میں ان کی علمی پیش رفت اور فری میسن اور روزی کروشن خفیہ تحریکات کے مخصوص ہتھکنڈوں کا بہت بڑا دخل تھا۔ یہ تحریکات دشمنی اور مسلمانوں کو نیچا دکھانے کی کوششوں کے راستے میں ہراول دستے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کا تفصیلی جائزہ ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے۔ مختصر یہ کہ دونوں تنظیمیں جو انگلستان کے شاہی خاندان، طبقہ اور علماء کے بہترین دلوں اور دماغوں پر مشتمل تھیں۔ خفیہ ذرائع سے کام کرنے کو اپنا طریق کار قرار دیتی تھیں اور اپنے مقصد کی راہ میں کسی قسم کی اخلاقی بندشوں کی قائل نہ تھیں۔ یہودی ذہن اور سرمایہ کی پیداوار ہونے کے ساتھ انگلستان کے قومی مقاصد کی تکمیل کا آلۂ کار ہونے کی وجہ سے انگلستان کے اعلیٰ ترین طبقے کی سرپرستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے ہم برصغیر کی تاریخ کا جائزہ لیں۔ یہ دیکھیں کہ یہاں کون کون سی اسلام دشمن تحریکات موجود تھیں اور کس طرح انگریزوں نے یہاں آ کر ان تحریکات کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ انگریز اپنے علمی جائزوں کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہاں کی اصل قوت ملت اسلامیہ کے غیرت مند امراء اور علماء ہیں۔ یہ لوگ کسی قسم کی مصالحت یا نفاق کا شکار نہیں۔ اور یہ مرتے دم تک مقابلہ کریں گے دوسری طرف انہوں نے یہاں کے کمزور پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ تو انہیں ایرانی اور تورانی کشمکش میں سے وہ طبقہ زیادہ پسند آیا جو اپنی وفاداریوں کا محور یہاں کی نسبت کسی اور سرزمین کو بنائے ہوئے تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ گروہ مذہبی پابندیوں کے معاملے میں نسبتاً زیادہ آزاد خیال واقع ہوا تھا۔ چونکہ فری میسن اور روزی کروشن بھی آزاد فکری کی تحریکات کو پرورش دینے اور مذہب کی نحوست کو کمزور کرنے میں پیش پیش تھے۔ اس لئے ان کا فطری

معاہدہ ناگزیر تھا۔ ابوالفضل، فیضی اور ان کے ہم مشرب لوگ اس گروہ میں تھے جنہوں نے باہر سے آئی ہوئی نئی طاقت کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس طرح انگریزوں نے اپنے مخالف جس قوت کو زیر کرنے کے لئے مختلف حربے استعمال کئے وہ بقول ان کے ان پرجوش جنونی مسلمانوں کا طبقہ تھا۔ جو کسی قیمت پر مصالحت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انگریزوں کی نظر میں اورنگ زیب عالمگیرؒ ایک فرد نہیں بلکہ اس مجموعی روّیے کی علامت تھا جو برصغیر کے مسلمانوں کے ایک خاص طبقے میں پایا جاتا تھا۔ اپنی دو صدیوں کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ اس طبقے کے سر قلم تو کر سکے لیکن انہیں جھکانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

برصغیر میں حکومت تو بادشاہوں کی رہی ان میں اچھے برے دونوں طرح کے عناصر رہے ہر چند غالب اکثریت انہی حکمرانوں کی تھی جو شرعی اعتبار سے انتہائی نیک سیرت افراد تھے۔ ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں کے عہد کو جزوی اعتبار سے اگر الگ کر دیا جائے تو سلطنت دہلی اور سلطنت مغلیہ کا غالب حصہ اسلام کے شعائر کی حفاظت اور مسلمانوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کی علامت تھی۔ یہاں ایک اور چیز غور کرنے کے لائق ہے۔ اور وہ یہ کہ بادشاہوں کا عمل دخل تو جو کچھ تھا سو تھا مسلمانوں کی مجموعی زندگی پہ علماء اور صلحاء بزرگانِ دین، صوفیاء کرام کے طبقوں کے گہرے اثرات تھے۔ ایک طویل فہرست ہے جو حضرت علی ہجویری (داتا گنج بخشؒ) سے لے کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دور پر محیط ہے۔ لاکھوں افراد ان کے آستانۂ فیض سے منسلک تھے اور دلوں پر حکومت انہی بوریا نشینوں کی تھی۔ یہ افراد اور ان کے دامن سے بندھے ہوئے امراء اور عوام درحقیقت انگریزوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ یہ تو انگریزوں کے دشمنوں کا تذکرہ تھا۔ آیئے اب ان کے دوستوں کا ذکر کریں۔

اس سے پہلے ایک گروہ کا ذکر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ برصغیر میں مختلف النّوع اقوام و گروہ ایسے تھے جن سے انگریزوں کا فطری الحاق ہونا ضروری تھا ان میں ہندو پیش پیش تھے۔ پارسی قوم جس کے آتش کدے مسلمانوں نے ٹھنڈے کر دیئے تھے اپنے دلوں میں انتقام کے کتنے ہی آتش کدے صدیوں سے فروزاں کئے ہوئے تھی۔ مسلمانوں کے اقتدار اور دبدبے کا زور کم ہوتے دیکھ کر اور انگریزوں کی بڑھتی ہوئی قوت میں اپنے لئے ذریعۂ نجات پا کر یہ افراد بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ برّصغیر میں فری میسن کے بڑے بڑے عہدے داروں میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بعد سب سے زیادہ تعداد انہی کی تھی۔ یہ افراد مختلف اوقات میں ایران سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے، بمبئی ان کا مرکز تھا یہی جگہ فری میسن کا بھی مضبوط گڑھ ہی یہاں بمبئی کا مختصر ذکر ضروری ہے کہ مسلمانوں کے دیگر ہم رنگ زمیں رکھنے والے طبقوں کی جائے پناہ بھی یہی رہی ہے۔ چنانچہ آغا خان کی جماعت ہو یا داؤدی بوہرہ فرقہ۔ یہودیوں یا پارسی ہندوؤں کا تجارتی اور اعلیٰ درجہ کے ذہین افراد۔ غرض یہ جگہ اٹھارہویں صدی سے اسلام دشمنی کا مضبوط قلعہ رہی ہے۔ اتفاق یہ کہ

اسرائیل کا قونصل خانہ بھی اسی شہر میں بعد میں بنا۔ یہ وہ سب مختلف طبقے تھے جن کا نقطۂ اشتراک ایک اور صرف یہ تھا اور وہ مسلمانوں کی قوت کو برباد کرنا اور اپنے مفادات کو آگے بڑھانا۔ کلکتہ کو اس سلسلے میں ثانوی حیثیت حاصل تھی۔ کلکتہ سے پورے بنگال۔ بہار اور وسطی ہندوستان اور بمبئی سے پورے مغربی پاکستان اور افغانستان کے علاقوں کی تسخیر کے منصوبے اٹھے۔ دہلی کو بیسویں صدی میں جاکر پایۂ تخت بنایا گیا۔ اس سے پہلے کلکتہ انگریزی دارالسلطنت کی رکھتا تھا۔

اس پس منظر کو سامنے رکھنے سے بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اس آئینے میں مختلف اقوام کا اصل کردار نظر آسکتا ہے۔ اس سے پہلے تین گروہوں کا ذکر آچکا ہے۔ وہ انگریزوں کے قیام سے پہلے یہاں موجود تھے۔ یا باہر سے انگریزوں کے ساتھ آئے۔ لیکن ایک طبقہ خود انگریزوں نے پنجاب میں ایسا پیدا کیا جو کہ ان کا "خود کاشتہ پودا" تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء کی جنگ نے انگریزوں پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ جہاد اور قتل مرتد کی تنسیخ کے بغیر ان کی نجات ممکن نہیں۔ اول الذکر کے لئے مرزا غلام احمد اور دوسرے کے لئے سر سید احمد خان کی خدمات حاصل کی گئیں۔ ایک طرف مذہبی اعتبار سے انگریزوں کی وفاداری کو جزو ایمان سمجھنے والے گروہ کی پیداوار کی گئی تو دوسری طرف نوکری اور انگریزی تہذیب اور تمدن کو جزو ایمان سمجھنے والے گروہ کو پیدا کیا گیا۔ یہ دونوں گروہ آپس میں خلط ملط بھی رہے اور ان میں کئی مشترک قدریں بھی تھیں۔ قادیان اور علی گڑھ دیکھنے میں بظاہر بالکل مختلف اداروں کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن دونوں میں انگریزوں کی نقالی کو وجہ نجات سمجھنے کی قدر مشترک تھی۔ بعد میں علی گڑھ کے مزاج میں محمد علی جوہر اور ان جیسے دیگر افراد۔ لیکن اینگلو عربک محمڈن کالج کا مقصد وحید مسلمان نہیں بلکہ محمڈن پیدا کرنا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد ہمارے یہاں جو طبقہ برسر اقتدار آیا اس میں قادیان، علی گڑھ (آزاد فکری، الحاد مغرب پرستی اور اسلام کا ایک عجیب وغریب ذہنی مغلوبہ تھا) ایرانی طبقات، پارسی، ہندو اور مسلمانوں میں سے انگریزوں کی سرپرستی میں تیار کردہ جاگیرداروں، وڈیروں اور سرداروں کا وہ طبقہ تھا جو مذہبی اعتبار سے کثریت کے ساتھ ہونے کا دم بھرتا تھا لیکن درحقیقت اس کے جسمانی اور روحانی رشتے انگریزوں کے طبقہ امراء کے ساتھ تھے۔ ان کی اکثریت انگلستان میں تعلیم حاصل کرتی رہی یا برصغیر کے ان مخصوص سکولوں میں جو انگریزی تہذیب و تمدن کی روح پیدا کرنے کے لئے خاص طور پر بنائے گئے۔ لارنس کالج گھوڑا گلی۔ ایچی سن کالج، برن ہال اور ڈون سکول وغیرہ دون میں پرورش پانے والے اور انگریز خاندانوں کے ساتھ شراب وکباب کی محفلوں شکار اور اسی طرح کی دیگر تفریحات میں شریک ہونے والے یہ افراد ہر چند برصغیر کی مٹی سے تعلق رکھتے تھے لیکن ملت اسلامیہ کے اجتماعی مسائل کے بارے میں ان کا رویہ بہر حال انگریزوں سے مختلف نہ تھا۔ یہ ان سے بڑھ کر

شہنشاہ کے وفادار بھی۔ پاکستان میں قوت کے تمام سرچشمے شروع دن سے انہی کے پاس ہے اور انگریز قوت و اقتدار کی امانت اپنے ان وفادار طبقوں کو یوں سونپ کر گیا کہ جیسے اقتدار کی گیند فٹ بال کے میچ کے چوبیس کھلاڑیوں کے قبضے سے باہر تماشائیوں کے ہاتھ میں کچھ لمحوں کے لئے آ بھی جائے تو وہ اسے واپس پھینک دیتے ہیں ان کھلاڑیوں میں سے کچھ کے میچ کھیلنے کے ناقابل ہونے پر دوسرے کھلاڑیوں نے ان کی جگہ لے لی۔ لیکن بہر حال یہ فٹ بال میچ بدستور جاری ہے۔

آیئے ہم قوت کے سرچشموں کا جائزہ لیں۔ پاکستان بننے کے بعد سیاسی ادارے یعنی اسمبلیاں اور سیاسی جماعتیں، بری افواج بشمول فضائیہ اور بحریہ۔ سول سروس۔ وزارت خارجہ۔ یونیورسٹیاں اور تحقیقاتی مراکز صحافت، ذرائع ابلاغ عامہ ان میں سے کونسا شعبہ ہے جن پر انگریز نواز اور ان کے پروردہ طبقوں کی انتہائی مضبوط گرفت نہ رہی ہو۔

میں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ طبقہ علماء میں چونکہ انہیں بہت زیادہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تھی! اور دیوبند، مظاہر العلوم ندوہ اور اسی طرح کے دیگر اداروں نے طبقہ علماء کو انگریزوں کی دست برد سے بچا رکھا تھا اس لئے ان کی کردار کشی کی بھرپور جدوجہد پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ طبقہ صوفیاء میں بڑی بڑی گدیوں کے انگریزوں کے زیر اثر کی داستان بھی اپنی جگہ الگ موضوع ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ اس طبقے میں بھی اچھی خاصی تعداد نے رشد و ہدایت کی شمعیں فروزاں رکھیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت رائے پوری ہوں یا نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلے کے چراغ ہوں۔ سب نے اپنی اپنی جگہ انگریز نواز طبقے کی اسلام دشمنی اور ملت اسلامیہ کی بدخواہی کا پورا پورا مقابلہ کیا۔

یہودی اثرات کے تحت برصغیر میں الحاد اور آزاد فکری کی جو تحریکات چل رہی تھیں اور جن میں علی گڑھ پیش پیش تھا۔ اشتراکیت کا فروغ بھی انہی کے ضمنی اثرات میں سے ایک تھا۔ علی گڑھ اشتراکیت کے فروغ کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔ سجاد ظہیر۔ اختر حسین رائے پوری اور کتنے ہی شاعر ادیب اس جگہ سے نکلے۔ ترقی پسند تحریک جس نے اردو ادب میں اشتراکی زہر کی پڑیا گھولنے کا کام انجام دیا بھی علی گڑھ ہی کی پیداوار تھی۔ برصغیر میں اشتراکیت ادب کے راستے سے حملہ آور ہوئی۔ اس کا ایک اور بڑا مرکز مزدوروں اور کسانوں میں تھا۔ اس کے لئے بھی کافی بڑی تعداد میں ادیبوں اور شاعروں اور دانشوروں کو کام میں لایا گیا۔ پھر اشتراکیت میں مزدکی فلسفہ پنہاں ہونے کی وجہ سے سرزمین مزدک سے روحانی تعلق رکھنے والوں کو بھی اس سے خاصا تعلق خاطر رہا۔

پاکستان بننے کے بعد بہائیت نے بھی یہاں کافی پر پرزے نکالے۔ اسرائیل میں ہیڈ کوارٹر رکھنے والی اس جماعت نے پاکستان بننے کے بعد مختلف شہروں میں ہال بنائے اور اپنی تعداد میں خاصا اضافہ کیا۔ یہ تحریک بھی انگریزوں ہی کے

فتنہ پرور دماغ کی پیداوار ہے۔ قدیم گمراہ طبقوں میں ذکریوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ ہر چند یہ ایک محدود علاقے یعنی مکران میں ہیں۔ لیکن ان میں فتنہ پروری کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ ان کا اشتراکیوں اور دیگر اسلام دشمن طبقوں سے گٹھ جوڑ ہو چکا ہے۔ خود بزنجو قبیلے کی کافی بڑی تعداد ذکری ہے۔ مکران کے الگ ڈویژن بن جانے کے بعد ان کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی میں اس حد تک بڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے مسجدوں پر حملے کرنے سے گریز نہیں کیا۔ قلات کے مسلمان اور دور اندیش حکمران میر نصیر خان نوریؒ نے اپنے ملک میں ان کے خلاف تین مہمات بھیجیں۔

عیسائی مشنری پاکستان بننے کے بعد جس قدر سرگرم ہوئے اس سے پہلے کبھی اس حد تک نہ تھے۔ انہوں نے منظم منصوبے بنائے مختلف جگہ آبادیاں قائم کیں۔ گرجا ہسپتال۔ سکول اور دیگر ادارے قائم کئے۔ عیسائیت کے لٹریچر کی پاکستان کی علاقائی زبانوں میں ترجمہ و تصنیف کا کام بھی بڑھا ہے۔ اور غیر ملکی مشنری ادارے اپنا اصلی کام یعنی ملک میں اسلامی قدروں کا انہدام اور غیر ملکی سراغ رساں ایجنسیوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کو بڑے پیمانے پر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہمارے یہاں کے انگریز نواز سول سروس کے افراد نے انہیں ہر ممکن سہولت پہنچائی ہے انہیں زمینیں اور رہائشی جگہوں کے حصول کے لئے کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

اقوام متحدہ نے جو درحقیقت بین الاقوامی یہودی لابی کے زیر اثر ایک ذیلی ادارے کی حیثیت رکھتا ہے پاکستان بنتے ہی یہاں اپنی یلغار شروع کر دی تھی۔ یونیسکو۔ یونیسف۔ عالمی ادارۂ خوراک۔ عالمی بنک اور اسی طرح کے دیگر بیسیوں ادارے پاکستان میں اپنے پنجے گاڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے افراد پاکستان کی معیشت سیاست اور مختلف اداروں میں جو گہرے اثرات رکھتے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے علاوہ امریکہ نے اپنے اطلاعاتی ثقافتی مراکز اور دیگر مختلف تنظیموں مثلاً یو ایس ایڈ کے ذریعے پاکستان کے مختلف علاقوں اور مختلف اداروں میں اپنے اثرات پھیلائے ہیں۔ برطانیہ کے مراکز اطلاعات اور لائبریریاں ان کے علاوہ ہیں۔ برطانیہ اور امریکہ نے ۴۸ء میں آپس میں ایک دوسرے نے سراغ رسانی کے شعبے میں ایک اہم معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے برطانیہ اپنا قیمتی تجربہ اور اپنے ذرائع اطلاعات سے امریکہ کی مدد کرنے پر تیار ہو گیا تھا۔ برطانیہ کی سابق نوآبادیوں کے بارے میں برطانوی افسروں کی ماہرانہ رائے سے امریکہ کی سی آئی اے نے آنے والے سالوں میں خاصا فائدہ اٹھایا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دونوں ملکوں میں زبان کے اشتراک نے ان دونوں کے گٹھ جوڑ کو ہمارے حق میں کہیں زیادہ خطرناک بنایا ہے۔ سی آئی اے کے علاوہ روس کی ایجنسی کے جی۔ بی اور پاپائے روم کی خفیہ پولیس بھی مسلم ممالک میں خاصی متحرک رہی ہے۔ پاکستان میں پاپائے روم کا سفیر اسلام آباد کے متحرک ترین افراد میں سے ہے۔ پاکستان میں مختلف میدانوں میں برطانیہ کی لابی کے اثرات جانچنے کے لئے ایک طویل منصوبے پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کی ریشہ دوانیاں دو سو سال سے زیادہ عرصے پر محیط ہیں اور ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔